باب۔77

تقدیر

☆ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ۔

ترجمہ: اور ہمارے خزانے میں کسی چیز کی کمی نہیں (اس میں سب کچھ ہے) مگر ہم اُتارتے ہیں (اور دیتے ہیں) تو مناسب اندازے سے۔ (سورۃ الحجر: آیت 21)

دیتا ہے ہر ایک کو حکیم
جس کی جیسی طبیعت ہے
وہی نمایاں ہوتا ہے
جس کی جیسی فطرت ہے

تقدیر کیا چیز ہے؟۔۔۔ اس مسئلہ کو یوں سمجھو کہ اللہ جان کر پیدا کرتا ہے۔ اُس کی اِن معلومات میں کسی قسم کی کوئی گڑبڑ اور بدنظمی نہیں۔ یقیناً یہ سب ایک نظام کے تحت ہیں۔ اسی نظام اور حکمت کو تقدیر کہتے ہیں۔ جو کچھ ہو رہا ہے تقدیر کے مطابق یعنی ترتیب وحکمت کے ساتھ ظاہر ہو رہا ہے۔

دیکھو! تم ایک ڈرامہ سوچتے ہو تو اس کے لیے ایک کہانی بناتے ہو۔ ایک منصوبہ گانٹھتے ہو۔ یہ سب چیزیں کہاں تھیں؟۔۔۔ تمھارے علم میں۔ تم اپنے زورِ تخیل سے اپنے متفرق خیالات میں ایک نظام پیدا کرتے ہو۔ فرض کرو تم اپنی اس تخلیق میں کسی چور کو پیدا کرتے ہو تو اس سے چوری نمایاں کرتے ہو۔ اگر تم اس کردار کی صفات کے تمام پہلوؤں کو ٹھیک ٹھیک بتاؤ تو تمھارا ڈرامہ درست۔ اگر تھوڑی بھی فروگذاشت یعنی omission ہوئی تو تمھارا ڈرامہ ناقص، بے کار اور فضول۔ اسی طرح خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے بھی ساری دنیا کو اسی صورت سے تخلیق کیا ہے۔ وہ بھی ہر ایک سے اس کے لائق اعمال ظاہر کرواتا ہے۔ بعض نادان سمجھتے ہیں کہ اللہ اچھے خاصے آدمی سے چوری کرواتا ہے اور پھر سزا بھی دیتا ہے۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ خدا چور کو

Siddiqui Publications

پیدا کرتا ہے تو 'چوری' اس کے لوازم یا prerequisites سے ہے۔ اور 'سزا دینا' چوری کے لوازم سے۔ اس موقع پر تم دیکھو گے کہ تھانے والوں کا چور کو گرفتار کرنا اس کو عدالت میں پیش کرنا، عدالت میں اس کے جرم کا ثابت کیا جانا اور اسے سزا دینا وغیرہ، ان سب کا ایک سلسلۂ لازم و ملزوم ہے کہ چلا جا رہا ہے۔ غرض، اللہ تعالیٰ نے یہ جو ناقابلِ تغیر ترتیب دی ہے، یہی "تقدیر" ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس دنیا کے نظام میں ہمیں جو کچھ دکھا رہا ہے وہ درست اور مناسب ہے۔

تقدیر میں دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو، اللہ کی نسبت کو اور دوسرا، ہماری نسبت کو ظاہر کرتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بات پوری طرح ظاہر نہیں ہوتی۔ اب یہاں دو باتیں پیدا ہوئیں۔ کسی بات کے پوری طرح ظاہر ہونے کے لیے ایک علت یعنی وجہ آئے گی۔ اگر اس علتِ آخر سے وہ بات تکمیل پا جائے تو وہ علت "متمم" کہلائے گی۔ اور اگر اس علتِ آخر سے وہ بات ناقابل وقوع ہو جائے تو وہ علت "مانع" کہلائے گی۔ ایسی تقدیر جس کے تعلق سے ابھی قطعی طور سے کچھ معلوم نہ ہو سکا ہو تو وہ "قضائے معلق" کہلاتی ہے۔ اور جب متمم یا مانع کے ذریعے سے بات پوری طرح سے ظاہر ہو جائے تو اسے "قضائے مبرم" کہیں گے۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے سب کچھ مبرم ہے۔ يَمْحُو اللَّـهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِندَهُ أُمُّ الْكِتَابِ، اللہ، جو چاہتا ہے مٹاتا بھی ہے اور ثابت و برقرار رکھتا ہے اور اسی کے پاس ہے اصل کتاب،(سورۃ الرعد: آیت 39)۔ تقدیر، اصل میں 'مبرم' یعنی firm and definite ہی ہے مگر دیکھنے والے کے لحاظ سے 'معلق' یعنی uncertain and vague معلوم ہوتی ہے۔

لوگوں کا خیال ہے کہ جب تقدیر میں جو لکھا ہوا ہے وہ ہو کر رہے گا تو ہم کو اختیار کہاں؟ خدا خود مقدر فرمائے اور خود ہی سزا دے۔ یہ تو 'جبرِ محض' ہے یعنی absolute oppressive action ہے۔۔۔! اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ جیسا ہم نے اوپر بیان کیا تھا کہ یہاں الف سے ب، اور ب سے ج پیدا ہوا۔ ایک سلسلۂ علت و معلول (یعنی سبب اور حاصل) کا ہے کہ چلا ہے۔ یہاں کونسی قوت ہے جو کسی کام کے کرنے پر مجبور کر رہی ہے یا روک رہی ہے۔؟ کوئی نہیں۔ یہاں ملزوم کے ساتھ لازم کا رہنا بھی واجب ہے۔ گویا یہاں استلزام ہے، لازم کر لینا ہے۔ اس بارے میں یہ یاد رکھنا ہوگا کہ اس سلسلے میں فاعل کا ارادہ بھی ایک اہم کڑی ہے۔ ارادے کے بعد سے آدمی مختار سمجھا جاتا ہے۔ بعض اسباب کے پیدا ہونے سے ارادے کا پیدا ہونا بھی رہتا ہے۔ بہر حال متمم علت کا لحاظ کرتے ہوئے دیکھا جائے تو کسی کو کوئی اختیار نہیں۔ مگر مانع علت کے اعتبار سے دیکھیں تو اختیار معلوم ہوتا ہے۔ جیسے، حاکمِ عدالت کے پاس فاعل مختار ہے، مجرم مختار ہے اور سزا کا سزاوار ہے۔ لیکن پورے سلسلے کو

دیکھنے والا فلاسفر، فاعل کو مختار نہیں سمجھتا۔۔۔ الحاصل، انسان ارادے کے بعد مختار اور قبلِ ارادہ غیر مختار ہوتا ہے۔

صاحبو! معترضین کو خلافِ حق جواب نہیں سوجھتا تو وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ چاہتا تو ہم ہدایت پر رہتے اور غلط کام نہ کرتے۔ کوئی ان سے پوچھے کہ تم اگر تقدیر پر ایسا یقین رکھتے ہو تو عذاب کے آنے پر بھی یقین رکھو۔ دنیا کے کاموں میں اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں اور دین کا کام آتا ہے تو تقدیر یاد آتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنْ ہے تو مجرموں کو سزا دینے والا بھی تو ہے۔ یہ کیا کہ جو اپنے مرضی کے موافق ہے وہاں اللہ یاد نہیں آتا مگر احکامِ خداوندی کے خلاف کرنے کے لیے اللہ کا رحم یاد آجاتا ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ کر سکتا ہے مگر اس کی حکمت بھی تو ہے۔ اگر وہ قدیر ہے تو وہ حکیم اور علیم بھی تو ہے۔ اس کے لوازم سے وہ واقف ہے۔ جیسی حقیقت ہوگی ویسے ہی اس کے لوازم ہونگے۔ اللہ نے ہاتھی کو سونڈ دی اور گھوڑے کو نہ دی۔ گھوڑے کو سونڈ نہ دینا اور ہاتھی کو دینا ان کی طبیعتوں کا اقتضا یعنی اس کی demand ہے۔ اگر تمام معاملات ایک ہی قسم کے ہوتے تو اچھے بُرے کی تمیز کس طرح سے ہوتی؟ اللہ تعالیٰ کے تمام اوصاف کس طرح نمایاں ہوتے؟۔۔۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو جان کر پیدا کیا ہے، نہ کہ پیدا کرنے کے بعد جانا۔ علم کا مرتبہ قدرت سے پہلے ہے۔ معلوماتِ الٰہی اور تمام چیزوں کی اقتضا کے مطابق وہ ہی تمام چیزوں کو ان کے کمالات عطا کرتا ہے۔ دنیا کی یہ رنگارنگی اس کے مختلف صفات کے نمایاں ہونے پر موقوف ہے۔

یاد رہے کہ حکم دو طرح کا ہوتا ہے۔ آدمی کو ایک حکم دیا جاتا ہے، مثلاً حکم ہوتا ہے نماز پڑھو مگر کوئی اس پر عمل کرتا ہے اور کوئی نہیں۔ اس کے مقابل جب خود نماز کو "کُنْ" کا حکم دیا جاتا ہے تو نماز پیدا ہو جاتی ہے۔ اور آدمی نماز پڑھ لیتا ہے۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ آدمی کو جب نماز کا حکم دیا جاتا ہے تو وہ کیوں نماز نہیں پڑھتا؟ ۔۔۔ یہ اس کی فطرت کا اقتضا ہے۔ دراصل اس کے عینِ ثابتہ میں نماز تھی ہی نہیں۔ اچھا! جب اس کے عینِ ثابتہ میں نماز تھی ہی نہیں تو اس کو نماز پڑھنے کا حکم ہی کیوں دیا گیا؟۔۔۔ نماز پڑھنے کا حکم اس لیے دیا گیا کہ اس سے اس کی طبیعت کی نافرمانی ظاہر ہو جائے۔ دنیا یہ دیکھ لے کہ یہ ناقص طبیعت کا ہے۔ اس طرح سے نافرمان طبیعت والے کو حکم تو دیا گیا مگر اس کے فعل کو موجود ہونے کا حکم نہیں دیا گیا۔ کیونکہ اس کی طبیعت کے فطرت کے، اس کے اقتضائے عین کے، موافق نہ تھا۔ اس کی حقیقت کے مطابق نہ تھا۔ اس کے لیے خدا پر کیا الزام لگاتے ہو۔ تم خود اپنی طبیعت کو روؤ۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنفُسَكُم، یعنی مجھے کیا ملامت کرتے ہو اپنے نفس کو ملامت کرو، (سورۃ ابراھیم: آیت 22)۔

تقدیر میں کیا لکھا ہے وہ تو ہونے کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے۔ اللہ کے ارادے کا تو علم نہیں۔ تم اپنے علم کے مطابق کام کرو۔ اگر کوئی تم کو کسی طرح کا نقصان پہنچادے تو فوراً لڑنے کو تیار ہو جاتے ہو۔ اس وقت کیوں اللہ یاد نہیں آیا؟ کیوں تقدیر پر راضی نہ رہے؟ یہ جان لو کہ جھوٹے حیلے چل نہیں سکتے۔ بُرا کروگے تو اپنے کیے کی سزا پاؤگے۔ جیسا کروگے ویسا بھروگے۔ کانٹے بو کر پھل کہاں سے پاؤگے؟ عذرِ گناہ بدتر از گناہ، تقدیر کا عذر کرنا ہے۔ اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اس کے احکام کی تعمیل کرو۔ تقدیر کو اپنی بدمعاشی کی سپر یعنی shield نہ بناؤ۔ عملِ صالح کرو اور اللہ سے نیک امید رکھو۔

{حوالہ تفسیر صدیقی- پارہ7 صفحہ 88 پارہ8 صفحہ 47 تا49 پارہ13 صفحہ 81 پارہ14 صفحہ 10، 11، 49، 66، 67 پارہ30 صفحہ 53
تفہیمات صدیقی صفحہ 20، 21، مراۃ التوحید صفحہ 15 تا 17
اور صدائے معرفت حق ہے راز داں کے لیے صفحہ 5 تا 8 (تالیفات حسرتؒ)}

متفرقات۔Miscellaneous

☆ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّـهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ

تا کہ اللہ تمھارے اگلے پچھلے گناہوں کی مغفرت کرے۔

(سورۃ الفتح: آیت 2 کا حصہ)

صاحبو! پیغمبر تو معصوم ہوتا ہے اور بے گناہ ہوتا ہے۔ پھر ان کے اگلے پچھلے گناہ کی معافی کے کیا معنی؟ ۔۔۔ دیکھو قاعدہ یہ ہے کہ جب فوجی سپاہیوں میں سے کوئی غلطی کرتا ہے تو لشکر کے سردار کو معافی چاہنا پڑتا ہے۔ وہ سپاہی کی خطا کو ایسا بیان کرتا ہے گویا اس کی خطا ہے۔۔۔ اسی طرح اُمت گناہ کرتی ہے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے سامنے معافی چاہتے ہیں۔ دیکھو۔۔! بادشاہ ہر کس و ناکس کو مخاطب نہیں کیا کرتا۔ کچھ کہنا ہوتا ہے تو اپنے وزیر اعظم سے کہتا ہے۔ اور بادشاہ کے پاس عذر کرنے (معافی مانگنے) والا بھی وزیر اعظم ہی ہوتا ہے نہ کہ معمولی شخص۔ ایک اور بات یاد رکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب ہر آن، ہر لحظہ روبہ ترقی ہیں۔

{حوالہ تفسیر صدیقی- پارہ26 صفحہ 46}

Siddiqui Publications